

رسائل و مسائل

اسلامی حکومت یا فرقہ دارانہ حکومت کی مزید وضاحت

سوال بہت دنوں سے ارادہ تھا کہ عریضہ ارسال خدمت کروں۔ چند ضروری امور کے بارے میں عرض کرنا چاہتا تھا۔ مگر فرصت نہ ملی کہ اطمینان خاطر کے ساتھ لکھ سکوں۔ ایک نئی بات کی وجہ سے اب فوراً خط لکھا۔ پریسوں تازہ پرچہ ترجمان القرآن کا موصول ہوا۔ میرا معمول یہ ہے کہ رسالہ وصول کرتے ہی پہلی نشست میں تقریباً سارا رسالہ ختم کر دیتا ہوں۔ اس دفعہ رسائل و مسائل میں جو کچھ آپ نے لکھا ہے اس کو پڑھ کر طبیعت متاثر ہوئی اور دل کا شدید تقاضا ہوا کہ اس بارے میں آپ کی خدمت میں ضرور عریضہ لکھوں اور اپنے تاثرات کا اظہار کروں۔

میں حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا شاگرد و اہل تشدد ہوں۔ اس عام تعلق کے علاوہ بعض وجوہات کی بنا پر حضرت سے خصوصی ربط و تعلق بھی ہے۔ اور موجودہ دور کے تمام علماء و مشائخ میں سب سے بڑھ کر مجھے عقیدت حضرت کے ساتھ ہے۔ اور میں نے جو کمالات اور علمی اور عملی فضائل کا ادراک اُن کو دیکھ کر اور اُن کا کیا ہے اب تک اور کہیں سے نہیں ہوا۔ لیکن اس قدر شدید تعلق اور عقیدت و احترام کے جذبہ رکھنے کے باوجود جماعت اسلامی کے بارے میں حضرت شیخ کی جو رائے تھی چونکہ میرا ایمانی ضمیر اس پر مطمئن نہیں تھا اس لیے میں نے حضرت کی رائے قبول نہیں کی۔ اگرچہ اس سے اُن کی عقیدت میں بھی کوئی فرق اپنے اندر نہ آنے دیا۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ شرعاً میرے لیے ضروری نہ تھا کہ اگرچہ مجھے شرح صدر نہ بھی ہوا۔ اور بات بالکل سمجھ میں نہ آتی ہو۔ لیکن پھر بھی ضرور حضرت کی یہ رائے میں

مان لوں۔ اور جماعت اسلامی یا آپ کے بارے میں وہ رائے دکھوں جو خود حضرت رکھتے تھے۔ چونکہ جماعت اسلامی کے بارے میں میرا رویہ اپنی پوری جماعت مسلک دیوبند کے خلاف رہا اس لیے بعض لوگوں نے اس کو اپنے اساتذہ سے بغاوت سمجھا اور اسی جرم میں آج تک میں بعض کے ہاں منضوب و معتوب ہوں اور بعض کے ہاں مادم و مخرفل کوئی احسان خیرا نامقصود نہیں محض اظہار واقعہ کے طور پر عرض کروں کہ محض اس "جرم" پر مجھے کافی دینی اور مادی خسار بھی برداشت کرنا پڑا۔ اور بہت سے فوائد و منافع کے نفع سے محروم رہا ہوں۔ اور مجھے اس کا کوئی افسوس نہیں۔ کیونکہ میں نے جو روش اب تک اختیار کی ہے۔ خالص اللہ تعالیٰ کی خاطر کی ہے اور میں اس کو ایمانی تقاضا سمجھتا ہوں۔

بہر حال یہ تو ایک تمہید تھی۔ مقصد یہ ہے کہ میں جو کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں یہ کسی گروہی عصبیت کی بنا پر نہیں بلکہ میں خود دینی تقاضا اور خیر خواہی سمجھ کر یہ چند مسطور لکھ رہا ہوں۔

کچھ عرصہ قبل بھی ترجمان القرآن میں حضرت مدنیؒ کی کتاب "نقص حیات" کی ایک عبارت کے بارے میں آپ سے کسی نے سوال کیا تھا اور آپ نے اُس کے جواب میں لکھا تھا اس میں کافی غلطی اور تیزی و تندہی پائی جاتی تھی۔ اول تو اس سوال کا جواب آپ کو دینا نہیں چاہیے تھا۔ سائل سے آپ یہ کہہ سکتے تھے جیسا کہ ابتدائی جواب میں لکھا بھی گیا تھا کہ عبارت کا مطلب خود مولانا سے پوچھیے۔ اُن کی عبارت ہے وہ خود اس کی تشریح کر دیں۔ لیکن آپ نے اپنی طرف سے خواہ مخواہ بلا ضرورت سخت کلمات لکھ دیئے۔ میں نے وہ جواب پڑھا تو مجھے بھی مناسب معلوم نہ ہوا مگر مجھے آپ سے بھی تعلق و عقیدت ہے اس لیے اس کی توجیہ و تامل کی اور اپنے تاثر کو دیا دیا۔ لیکن انہی ایام میں مجھے معلوم ہوا کہ بہت سے اہل علم جو جماعت کے ساتھ خیر و بری طور سے وابستہ تھے اور بہت کام بھی کیا کرتے تھے اسی طرز جواب پر سخت ناراض ہو گئے۔ ان کی رائے آپ کے بارے میں بدلنے لگی اور انہوں نے جماعت کی حمایت سے ہاتھ اٹھا دیا۔ مجھ سے بھی انہوں نے گفتگو کی بلکہ

مجھے مجبور کیا کہ میں آپ سے اس سلسلہ میں خط و کتابت کروں کہ آپ یہ بالکل بلا ضرورت اس قدر دل آزاری کے کلمات کیوں شائع فرماتے ہیں۔ مگر میں نے اس وقت سکوت اختیار کیا۔ تازہ پرچہ میں پھر اسی بات کو ذرا اس سے بھی زیادہ تیز الفاظ میں دہرایا ہے۔ حضرت مدنیؒ کی وفات کے بعد پھر ایسی باتیں تازہ کرنا اور اس انداز کے ساتھ لکھنا تو اور بھی نامناسب ہے۔ عام طور سے لوگ ایسا کیا کرتے ہیں اور آپ کہہ سکتے ہیں کہ مولوی صاحبان اور دوسرے لوگ میرے بارے میں باجماعت کے بارے میں ایسا ہی طرز اختیار کیے ہوئے ہیں لیکن آپ کو ایسے امور میں دوسروں کی تقلید تو نہیں کرنی چاہیے۔ میں واقعہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک داعی حق سمجھنے کی حیثیت سے آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے اور یہ انداز تحریر آپ کی شان سے بہت ہی فروتر ہے۔ اگر اس تحریر پر آپ کا نام نہ ہوتا تو میں تو اپنے ذوق کے مطابق یہ کبھی یقین نہ کرتا کہ آپ اس سطح پر آسکتے ہیں۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں کہ اگر کسی نے یہ سوال آپ کے پاس بھیجا تو آپ کو اس کا جواب دینا ہی نہیں چاہیے تھا۔ اگر مستفسر کو یہ افسوس ہے کہ نقش حیات کی تصریحات اور مولانا کے اس جواب میں کوئی مطابقت نہیں تو اپنے اس افسوس کے ازالہ کے لیے آخر وہ آپ کے کیوں خط و کتابت کی ضرورت محسوس کرتا ہے؟ یا تو وہ حضرت کی حیات میں ان سے خط و کتابت کرتے۔ یا ان کی وفات کے بعد ان کے کسی جانشین، تلمیذ خاص یا کسی اور متعلق سے پوچھ لیتے۔ مولانا مرحوم کے ساتھ تو آپ کا کوئی تعلق نہیں تھا کہ ان کی متعارض عبارات کی تطبیق کی ذمہ داری آپ پر پڑتی ہے اور آپ خواہ مخواہ جواب دہ ہیں۔ میں تو آپ پر اس قسم کی کوئی بدگمانی نہیں کرتا لیکن یہاں بعض لوگوں نے اس لئے کا اظہار کیا کہ یہ مستفسر بھی بالکل فرضی ہے تاکہ اس طریقہ سے اسی قسم کے جواب کی اشاعت کا مروج ہوتا کر دیا جائے۔ مولانا مرحوم کی عبارات سے جو نتائج آپ نے اخذ کیے ہیں اور پھر ان پر تنقید کی ہے میرے خیال میں آپ نے اس میں بھی اپنے بلند مقام سے اتر کر گفتگو کی ہے۔ عام علماء اگر آپ کی عبارات کے ساتھ یہی طریقہ برتتے ہیں تو جائز طور پر وجہ شکایت ہوتی ہے اور

انصاف کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اُس پر احتجاج کیا جائے۔ اس لیے میں آپ سے بھی شکایت کو جائز اور احتجاج کو تقاضا انصاف سمجھتا ہوں۔ یہ جواب شائع کر کے واقعہ یہ ہے کہ آپ نے دینی لحاظ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ اقامتِ دین کی منزل قریب لانے میں بھی اس کو کوئی دخل نہیں بلکہ اس سے سینکڑوں نہیں ہزاروں ایسے اشخاص کی دل آزاری ہوئی جو آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کی جدوجہد کو ایک دینی جدوجہد سمجھ کر نظر یہ یا عمل کے اعتبار سے آپ کے ترکیبِ کار میں خواہ آپ اسے اندھی عقیدت و تقلید کہیں یا اور کچھ لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ حضرت مدنیؒ کی محبت و عقیدت تمام علماء اور دیندار طبقہ کے سوائے قلب میں جاگزیں ہے۔ ان کی کسی رائے یا فتویٰ کو ممکن ہے بعض حضرات کسی وجہ سے قبول نہ کریں لیکن ان کی شان میں اگر ایسے کلمات کہے اور لکھے جائیں جن سے متعصب و توہین ہوتی ہو تو ان کو برداشت کرنا بڑا مشکل ہے۔ پس اُن کی وفات کے بعد جن باتوں کو چھڑانے کی بالکل کوئی ضرورت نہیں اور اُن کو چھڑانے اور شائع کرنے سے دین کا ذرہ برابر فائدہ نہ ہو رہا ہو تو خواہ مخواہ کے لیے ایک نیا میدانِ جنگ کیوں گرم کر دیا جائے۔ موجودہ نازک حالات آنے والے انتخابات کی اہمیت کو محسوس فرما کر آپ نے بھی الایم فالایم کے اصول پر اور حکمتِ عملی سے کام لے کر دوسرے بہت سے امور میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کی ہے اور ایسا کرنا بھی چاہیے تھا۔ تو کیا یہ حکمتِ عملی میں شامل نہیں ہو سکتا۔ کہ ان ایام میں علماء کرام کو بالکل نہ چھڑا جائے خواہ اُن میں سے بعض نجاؤں بھی کر جائیں لیکن کوئی استقامتی کارروائی نہ کی جائے۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ آپ حضرات کا تمام چھوٹے بڑے الزامات کے مقابلہ میں سکوت اختیار کرنا اور متروک کرنا پر عامل بن جانا، دین کے لحاظ سے زیادہ مفید ہے اور اسی میں جماعت کا وقار بھی ہے۔ بات بہت طویل ہو گئی، مقصد آپ مختصر اشارہ سے بھی سمجھ سکتے تھے۔ آپ ضرور اس بات پر غور فرما کر اس کا اب تدارک کریں اور اس کے مضر اثرات کو کسی احسن طریقہ سے زائل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ کے بارے میں جو کچھ علماء

اقرضات کر رہے ہیں ہم کو تو شب و روز ان کی جواب دہی کرنی پڑتی ہے میں نورس می طرد سے متعلق نہ ہونے کے باوجود لوگوں کے خیال میں ”پکا موودی“ ہوں۔ میں ان اقرضات کی مدافعت کرتا رہا ہوں۔ لیکن اس تازہ تحریر پر کوئی اقرضہ کرے تو میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔ اور پھر آپ کے بارے میں کچھ کہا جائے اس کی برداشت مجھ مشکل سے ہوتی ہے کیونکہ میں سمجھتا ہوں اس کا اثر تحریک پر اور اس واسطے سے اقامت دین کے فریضہ پر پڑ جاتا ہے۔ آپ کا بہت ساقیمتی وقت اس پر نشیان کوئی میں خرچ کر دیا۔ مگر خدا کرے اس کا نتیجہ کوئی اچھا نکلے۔“

جواب: جواب میں تاخیر کی وجہ یہ ہے کہ میں سرگودھا گیا ہوا تھا اور میری غیر موجودگی میں آپ کا خط پہنچا تھا۔ واپس آنے کے بعد عرض کر رہا ہوں۔

مولانا مانی مرحوم کے ساتھ آپ کے تعلق سے میں واقف ہوں، اور اس گہرے تعلق کے باوجود میرے اور جماعت اسلامی کے ساتھ آپ کا جو ربط ہے اسے میں آپ کی انصاف پسندی و حق پرستی کی کھلی دلیل سمجھتا ہوں جس کی اگر قدر نہ کی جائے تو ظلم ہو گا۔ لیکن رسائل و مسائل میں نقش حیات کی جن عبارتوں کے متعلق ایک صاحب سے میری جو مراسلت شائع ہوئی ہے، اس پر آپ کے اقرضات میری سمجھ میں نہیں آئے۔ آپ خود بھی اگر مولانا کی عقیدت سے صرف نظر کر کے دوبارہ اس مسئلے پر غور کریں تو مجھے امید ہے کہ آپ بھی اپنے ان اقرضات میں کوئی معقولیت محسوس نہ فرمائیں گے۔

نقش حیات جلد دوم کی جو عبارات زیر بحث ہیں، سب سے پہلے آپ خود ان کو مولانا کی کتاب میں پورے سیاق و سباق کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔ عبارات حسب ذیل ہیں:

(۱) ”حضرت سید احمد صاحب بریلوی تہمید رحمۃ اللہ علیہ جو کہ اس تحریک کے سردار اور بانی ہیں ان کے خط میں جو کہ وزیر گوالیار کے نام مدد طلب کرنے کے لیے لکھا گیا تھا جس کو ہم مجتہد آگے ذکر کریں گے، صاف طور پر ظاہر کیا گیا ہے کہ ہمارا مقصد ہندوستان کو اس بڑی قوم (انگریز) کے مظالم سے پاک کرنا ہے۔ اس کے بعد ہندو اور مسلم مل کر بادشاہت

کے لیے جس کو مناسب سمجھیں منتخب کریں۔“ (صفحہ ۵)

[آگے صفحہ ۱۳-۱۴ پر مولانا نے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مذکورہ بالا نخط نقل فرمایا ہے مگر اس میں خط کشیدہ مضمون موجود نہیں ہے۔ بلکہ اس میں اس کے برعکس یہ لکھا گیا ہے کہ اس شخصدار از رؤسا و کبار و عظاما و عالی مقدار ہمیں تدر مطلوب است کہ خدمت اسلام بجان و دل کنند و بر مسند مملکت متمکن شوند۔“]

(۲) علاوہ ازیں کسی فرقے کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے یہ نہایت ضروری ہے کہ

اس فرقے کے لیے بھی حکومت کے عہدوں اور منصبوں (بہ منصبوں) کے دروازے ایسے ہی کھلے رکھے جائیں جیسے کہ خود اپنے فرقہ کے لوگوں کے لیے، اور ملکی و انتظامی معاملات میں کسی قسم کا کوئی تعصب نہ برتا جائے۔ قرآن کا حکم ہے ولا یجبر منکم شیئاً من دینکم (آلایہ صفحہ ۱۰)

(۳) آؤ رنگ زیب عالمگیر کی فطرت کے بعد اس میں اضمحلال آنا شروع ہوا اور حالات

روز بروز بد سے بدتر ہوتے رہے تو اب علمائے ان کی اصلاح کی کوشش کی اور اس کوشش سے ان کا مقصد ملک کی خوشحالی، امن، امان، سکون و اطمینان، ظلم و جور کی بیخ کنی اور خلق خدا کی عام رفاہیت و بہبودی تھا۔ ان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ حکومت مسلمان کی ہو یا غیر مسلم کی۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ جس کی بھی حکومت ہو انصاف کرے۔“ (صفحہ ۱۱)

(۴) شاہ عبدالغفر نے سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے فترے کا جو اقتباس اوپر گزر چکا ہے

اس میں دو باتیں خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔ (۲) شاہ صاحب کسی ملک کے دارالاسلام ہونے کے لیے اس میں محض مسلمانوں کی آبادی کو کافی نہیں سمجھتے بلکہ اس کے لیے وہ یہ بھی ضروری جانتے ہیں کہ مسلمان باغزت طریقہ پر رہیں اور ان کے شعائر و مذہبی کا احترام کیا جائے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی ملک میں سیاسی اقتدار اعلیٰ کسی غیر مسلم

جماعت کے ہاتھوں میں ہو لیکن مسلمان بھی بہر حال اس اقتدار میں شریک ہوں اور ان

کے مذہبی شعائر کا احترام کیا جاتا ہو تو وہ ملک حضرت شہاہ صاحب کے نزدیک کلمہ
دارالاسلام ہوگا۔ (صفحہ ۱۱)

[حضرت شہاہ صاحب کا جو فتویٰ مولانا نے صفحہ ۶-۷ پر نقل کیا ہے وہ اس کے بالکل برعکس
معنی دے رہا ہے۔ اس میں تو شہاہ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ جہاں امام مسلمین کا حکم جاری نہ ہو بلکہ تقارک
حکم چل رہا ہو وہاں بعض احکام اسلام سے تعرض نہ ہونا حاصل ہے۔ محض جمعہ و عیدین یا اذان و ذبح
بقر کی آزادی ایسی سرزمین کو دارالاسلام نہیں بنا سکتی۔]

۵) بے شک سید صاحب جگہ جگہ اعلیٰ کلمۃ اللہ اور دین رب الغلبن کی خدمت تک
ذکر کرتے ہیں اور اسی کو اپنی ماسعی کا محرک بتاتے ہیں لیکن آپ یہ خوب سمجھتے تھے کہ
اعلئے کلمۃ اللہ کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ ایک فرقہ دار گو فرسٹ قائم کی جائے
اور خود حاکم بن کر دوسرے برادران وطن کو اپنا محکوم بنایا جائے بلکہ اس کا سب سے زیادہ
مؤثر طریقہ یہ ہے کہ برادران وطن کو سیاسی اقتدار میں اپنا شریک کر کے اسلامی فضائل
اخلاق سے ان کے دلوں کو متوجہ کیا جائے۔ (صفحہ ۱۵)

عبارت نمبر ۱ کے متعلق تو کوئی شک کرنے کی گنجائش ہی نہیں کہ یہ مولانا کی اپنی ہے، کیونکہ اس سے
پہلے اور بعد کوئی علامت ایسی نہیں پائی جاتی جس کی بنا پر یہ گمان کیا جاسکتا ہو کہ یہ کسی اور کی عبارت نقل
کی گئی ہے۔ اس کے بعد صفحہ ۶ پر مولانا نے کسی البرمان نامی پرچے سے ایک اقتباس نقل فرمایا ہے
جو کتابت کے معروف قاعدے کے بعد دونوں طرف حاشیہ چھوڑ کر متن کے قلم سے خفی تر قلم میں لکھا گیا
ہے اور یہ اقتباس صفحہ ۷ کی ابتدائی تین سطروں پر ختم ہو گیا ہے پھر صفحہ ۷ سے مسلسل صفحہ ۱۶ تک
ساری عبارت متن کے انداز میں چلتی رہے جس کے اندر جگہ جگہ دوسری کتابوں کے اقتباسات مع حوالہ
نقل ہوئے ہیں۔ تحریر و کتابت کے جو معروف قواعد ہمارے ہاں رائج ہیں ان کے لحاظ سے جو شخص
بھی ان صفحات کی عبارتوں کو پڑھے گا وہ لامحالہ انہیں متن ہی کی عبارت سمجھے گا لیکن صفحہ ۱۶ کا پہلا
پیراگراف ختم ہوتے ہی یکایک ہمارے سامنے پھر البرمان ۱۲ جلد ۲۱ صفحہ ۱۷، ۱۸، ۱۹ کا حوالہ آجاتا ہے

اور آرٹ پلٹ کر دیکھنے سے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ البربان سے نقل کردہ عبارت کہاں سے شروع ہوتی ہے ہو سکتا ہے کہ یہ حوالہ صرف عبارت نمبر ۵ سے متعلق ہو جسے کسی طویل تحریر سے خلاصے کے طور پر لیا گیا ہو اور ہو سکتا ہے کہ عبارات نمبر ۲، ۳، ۴، ۵ بھی البربان ہی سے متقول ہوں۔ اس البربان کو تم نہیں جانتے کہ یہ کون سا پرچہ ہے۔ دہلی کا جریدہ برہان تو اس سے مراد نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کا نام برہان ہے اور برہان نہیں۔ اس لیے اصل کی طرف رجوع کر کے تحقیق کرنا مشکل ہے۔ تاہم اگر صفحہ ۶ سے ۱۶ تک کا پورا مضمون بھی جس میں عبارات نمبر ۲، ۳، ۴، ۵، ۶ واقع ہوئی ہیں، البربان کا مان لیا جائے تو اس سے پہلے اور اس کے بعد جو کچھ مولانا نے فرمایا ہے اسے دیکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ مولانا اس پورے بیان کی توثیق فرما رہے ہیں، اسے استشہاد اقل فرما رہے ہیں، اور انہوں نے اشارہ و کنایہ بھی اس کے کسی جز سے اختلاف نہیں فرمایا ہے۔ اس طرح سب کوئی شخص اپنے کسی بیان کی تائید میں کسی دوسرے کی عبارت نقل کر لے ہے اور اس کے کسی جز سے اختلاف کا اظہار کیسے بغیر اس کی توثیق کر دیتا ہے تو اس سے لازماً یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ اس کا ہم خیال ہے اور الفاظ میں نہیں تو معنی میں ضرور اس کے ساتھ اتفاق رکھتا ہے۔

اب خدا ان عبارتوں کو آپ خود دیکھیے۔ ان میں کوئی باریکی یا پیچیدگی نہیں ہے کہ ایک عام آدمی ان کا مطلب نہ سمجھ سکے، اور تاویل سے ان کے مختلف مفہومات نکل سکتے ہوں۔ صاف صاف زبان میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یہ ہے کہ :

۱۔ جس ملک میں مسلم اور غیر مسلم ملے جلے آباد ہوں وہاں اسلامی حکومت قائم کرنا ایک نامناسب فعل ہے، کیونکہ یہ ایک ”فرقہ دار گورنمنٹ“ ہوگی، اور اگر مسلمان اس میں خود مالک بن کر دوسرے برادران وطن کو اپنا محکوم بنائیں تو یہ خلاف انصاف ہوگا۔ ایسے ملک میں صحیح طریق کار یہ ہے کہ مسلمان اور غیر مسلموں کی مشترکہ حکومت بنے، اور یہی اعلیٰ کلمۃ اللہ کا بھی سب سے زیادہ مؤثر طریقہ ہے۔

۲۔ کسی ملک کے دارالاسلام ہونے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ وہاں اسلام کے احکام جاری ہوں اور حکومت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہو۔ اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کے ہاتھ میں بھی ہو تو ملک دارالاسلام ہو سکتا ہے اگر مسلمان بھی فی الجملہ اقتدار میں شریک رہیں اور ان کے مذہبی شعائر کا احترام کیا جاتا رہے۔

۳- مسلمانوں کے ہاتھ میں بھی اگر حکومت ہو تو یہ ضروری ہے کہ غیر مسلموں کے لیے تمام عہدوں اور منصبوں کے دروازے کھلے رکھے جائیں۔ یہ خود قرآن کی تعلیم ہے اور ایسا نہ کرنا خلاف عدل ہے۔

۴- پچھلے دو ڈھائی سو برس میں ہمارے علماء و صلحاء نے بظہیم ہند میں اصلاح احوال کی جتنی کوششیں کی ہیں ان میں سے کسی کا مقصد بھی یہاں اسلامی حکومت قائم کرنا نہ تھا۔ وہ صرف اچھی حکومت چاہتے تھے، خواہ اس کے حاکم مسلمان ہوں یا غیر مسلم۔

۵- حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل کشمیر رحیمہ اللہ کی تحریک کا مقصد بھی اسلامی حکومت کا قیام نہ تھا۔ وہ صرف انگریزوں کو نکالنے کے لیے اٹھے تھے اور اس کے بعد ان کے پیش نظر یہ تھا کہ ہندو اور مسلمان مل کر ایک مشترک حکومت قائم کریں۔

ان باتوں میں سے نمبر ۲ کے متعلق مولانا حسین احمد صاحب مرحوم نے توجہ دلاتے پر صرف اتنی توضیح فرمائی تھی کہ وہ ہندوستان کی موجودہ حکومت پر "دارالاسلام" کی اصطلاح کا اطلاق نہیں فرماتے اور نمبر ۵ کے متعلق صرف یہ تشریح کی تھی کہ ان کے نزدیک حضرت سید احمد شہید کے پیش نظر سیکرٹری اسٹیٹ (لاہور) ریاست، قائم کرنا نہ تھا۔ لیکن آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ ان توضیحات سے ان اصولی باتوں میں قطعاً کوئی فرق واقع نہیں ہوتا جو مذکورہ بالا نکات میں بیان ہوئی ہیں۔ ان میں سے ہر نکتہ اپنی جگہ جوں کا توں قائم ہے، اور ہر ایک اسلام اور مسلمانوں کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ اس کا زہر لایا اثر صرف ہندوستان کے مسلمانوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ پاکستان تک بھی پہنچتا ہے۔ یہاں بھی جو لوگ مولانا کے شاگرد، مرید، یا عقیدت مند ہیں، یا دین کے معاملہ میں ان کے علم پر اعتماد رکھتے ہیں، ان کی ایک کثیر تعداد مولانا کے ان خیالات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی، اور ان خیالات کا اثر جو بھی قبول کرے گا اس کا نقطہ نظر لازماً ایسے بنے گا کہ پاکستان میں اسلامی حکومت قائم کرنا غلط اور ہندو مسلم مشترک حکومت قائم کرنا ہی صحیح ہے۔ اس کے ذہن میں دارالاسلام کی ایک سرسبز غلط تعبیر بیٹھ جائے گی، وہ ایک روادار لادینی حکومت کو بھی اطمینان کے ساتھ دارالاسلام سمجھ لے گا، اور اس کے بعد مشکل سے ایک خالص اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے کوئی ٹرپ اس کے دل میں باقی رہ جائیگی۔

وہ ماضی قریب کی تمام اسلامی تحریکوں کے متعلق بھی بالکل ایک غلط تصور کے کر بیٹھ جائے گا اور یہ یاد رکھ لیا کہ اس دور میں ہمارے تمام دینی پیشوا اسلامی حکومت قائم کرنے کے بجائے اصولاً اسی طرز کی مشترک ہندو مسلم حکومت قائم کرنا چاہتے تھے جیسی ہندوستان کے کانگریسیوں نے قائم کی ہے اور پاکستان کے کانگریسی، عوامی لیگ، سی پکن انڈین نیشنل عوامی پارٹی کے لوگ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ان سب کے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ یہ نقطہ نظر جس شخص کا بھی بن جائے گا وہ مشکل ہی سے اس الجھن میں مبتلا ہونے سے بچ سکے گا کہ اگر فی الحقیقت انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ مسلم وغیر مسلم کے مشترک وطن میں ایک "فرقہ دار گورنمنٹ" قائم نہ کی جائے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے جو "فرقہ دار گورنمنٹ" قائم کی تھی، جس کی مجلس شوریٰ میں ایک بھی غیر مسلم نہ تھا، جس میں کوئی حج، کوئی گزیر، کوئی عامل، کوئی سپہ سالار غیر مسلم نہ تھا، جس میں غیر مسلم ذمی بنائے گئے تھے اور ان پر زریہ لگایا گیا تھا، جس میں خالص اسلامی آئین و قانون رائج تھا اور نظم حکومت کی پالیسی متعین کرنے میں بھی غیر مسلموں کا کوئی دخل نہ تھا، آخر اس کو کس دلیل سے انصاف قرار دیا جائے گا؟ وہ اعلیٰ حکمۃ اللہ کا راجح نظیر قرار پائے گا یا مرجوح؟ وہ حکومت ہمارے لیے معیار قرار پائے گی یا منقل حکومت جسے مولانا نقشب "حیات" میں بار بار نظیر کے طور پر پیش کرتے ہیں؟

یہ باتیں ہیں جن کے متعلق آپ مجھ سے چاہتے ہیں کہ میں ان پر گرفت درکاروں اور ان کے معاملہ میں خاموشی اختیار کروں۔ میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ کسی وقت تنہائی میں خالصتہً لوجہ اللہ اپنے ضمیر سے پوچھیے کہ کیا واقعی مجھ سے آپ کا یہ مطالبہ حق بجانب ہے؟ اس میں دین اور اس کی مصلحت کی یہ نسبت اپنا استاد اور اپنا گروہ تو آپ کے لیے عزیز تر نہیں ہو گیا ہے؟ اس کے لیے جو دلائل و وجوہ آپ نے بیان کیے ہیں ان میں سے کسی کے اندر بھی خود آپ کوئی وزن محسوس کرنے میں؟ آپ کہتے ہیں کہ حضرت مدنی کی وفات کے بعد ایسی باتیں کرنا مناسب نہ تھا؟ لیکن یہ بات اسی صورت میں درست ہو سکتی ہے جبکہ حضرت موصوف کے ذاتی عیوب پر کوئی کلام کیا جائے۔ ایسی بات جو شخص بھی کرے اسے ملامت کرنے میں آپ کے ساتھ میں بھی شریک ہوں گا۔ لیکن یہی معاملہ

یا اجتماعی مسائل میں کسی شخص کے خیالات پر بحث نہ کرنے کے لیے یہ کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس کا انتقال ہو چکا ہے۔ اس کا انتقال تو بے شک ہو چکا ہے مگر اس کے خیالات تو شائع شدہ صورت میں موجود ہیں اور ہیں اور لوگوں کے ذہن پر اثر ڈالتے رہیں گے۔ ان پر اگر اس دلیل سے بحث کرنا غیر مناسب ہے کہ ان خیالات کا پیش کرنے والا دنیا سے رخصت ہو چکا ہے تو یہ چیز مولانا حسین احمد صاحب ہی کے لیے خاص کیوں ہو۔ پھر تو کسی وفات یا قتل شخص کے کارنامے پر بھی بحث کرنا درست نہ ہوگا اور میں تمام ہی پچھلے لوگوں کے غلط خیالات کو پھیلنے کی کھلی چھٹی دینی پڑے گی۔

آپ کہتے ہیں کہ متفسر نے مولانا مرحوم کے ارشادات کے متعلق تم سے جو سوال کیا تھا اس کا جواب تمہارے ذمہ تو نہ تھا۔ تمہیں اس کا جواب دینے کی کیا ضرورت تھی؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر مولانا کے سو کسی اور شخص کے گمراہ کن خیالات سے پریشان ہو کر کسی نے مجھ سے سوالات کیے ہوتے اور میں نے اس کے جواب میں ان خیالات کی تردید کر کے اسے اور دوسرے بندگان خدا کو ان سے بچانے کی کوشش کی ہوتی تو کیا اس وقت بھی آپ مجھ سے یہی بات کہتے جواب کہہ رہے ہیں؟ اس سوال کا جواب مجھے دینے کے بجائے آپ اپنے ضمیر سے کو دے لیں اور خود ہی غور کریں کہ اس خاص معاملے میں جو آپ عام حالات سے مختلف طرز عمل اختیار فرما رہے ہیں اس کا اصل محرک کونسا جذبہ ہے اور آیا وہ اللہ و فی اللہ ایک محمود جذبہ ہے یا اس میں نادانستہ اسی تحریک اور اپنوں کی جانبداری کا وہ لوث شامل ہو گیا ہے جو خدا کے بے لاگ دین کی نظر میں کبھی محمود نہیں ہو سکتا۔

آپ کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت مدنی کی محبت و عقیدت تمام علماء اور دیندار طبقہ کے سیدھے قلب میں جاگزیں ہے، اور ان کے خیالات پر تنقید کرنا ان لوگوں کو ناگوار ہوتا ہے، اس لیے مجھے یہ کام نہ کرنا چاہیے، کیونکہ اس سے وہ لوگ میری اور جماعت کی تائید سے ہاتھ کھینچ لیں گے۔ میں اس کے جواب میں مختصر اعراف اتنا عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں کہ جو شخص میرے اور جماعت اسلامی کے اس کام کو میرا اور جماعت کا کوئی ذاتی مفاد یا کاروبار سمجھتا ہو اور اس میں بطور احسان ہاتھ بٹانے آ رہا ہو تو وہ سخت گناہ گار ہے۔ کیونکہ دین کے نام سے کاروبار کرنا اور اس کاروبار میں حصہ لینا وہ بدترین تجارت ہے جس سے زیادہ خسار

کا سودا شاید ہی کوئی ہو۔ کسی نے اگر آج تک یہ سمجھتے ہوئے ہماری تائید کی ہے تو اب اسے توبہ کرنی چاہیے اور فوراً اس تائید سے دستکش ہو جانا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی ہمارے اس کام کو خالصتہً اللہ دین کا کام سمجھ کر ہماری تائید کرنے آتا ہے تو اس کے اور ہمارے درمیان جو معاملہ بھی ہو گا خالص حق پرستی کی بنیاد پر ہو گا۔ تو ہم اس سے کوئی مطالبہ حق کے خلاف کر سکتے ہیں اور نہ وہ ہم سے خلاف حق کوئی مطالبہ کر سکتا ہے۔ کسی کے پاس اگر اس مطالبے کے لیے کوئی دلیل ہو کہ ”دنیا میں اور جو بھی دینی تصورات اور اصولوں کے خلاف کوئی کام کرے اس کی توثیر لے ڈالو مگر ہمارے حضراتوں میں سے کوئی یہ کام کرے تو اس پر دم نہ مارو“ تو وہ براہِ کرم اپنی دلیل پیش کرے ہم بھی غور کریں گے کہ قرآن، حدیث، یا سلف صالحین کے اسوے میں اس دلیل کا کوئی مقام ہے یا نہیں۔ اور اگر ایسی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں ہے تو ہم صاف کہتے ہیں کہ اس کا یہ مطالبہ ماننے کے لہجہ میں تیار نہیں ہیں۔ اس طرح کی شرطیں لیکر جو لوگ خدا کا کام کرنے کے لیے ہمارے ساتھ آئیں وہ ہمارے لیے سببِ قوت نہیں بلکہ سببِ ضعف ہیں۔ ایسے لوگ دنیا میں کبھی حق قائم نہیں کر سکتے۔ وہ سب بیک وقت ہماری تائید سے دستکش ہو جائیں تو ہم اللہ کا شکر کریں گے۔ آپ نے بار بار اس بات کی بھی شکایت کی ہے کہ میں نے حضرت مدنی کی عبارتوں پر تنقید کرنے میں بڑا دل آزار انداز بیان اختیار کیا ہے اور بہت سچی سطح پر اتر گیا ہوں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ ایک بڑا دل آزاری تو وہ ہے جو ایسی صورت میں لانا ہو عقیدت مند آدمی کی ہو جاتی ہے جبکہ اس کے کسی محبوب بزرگ کے خیالات کی تردید کی جائے۔ یہ چیز بجائے خود ہی تکلیف دہ ہے، اس لیے اس کا شکوہ آپ کریں تو میں اس کی کوئی تلافی نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر اس سے زائد کوئی چیز آپ کو میری تحریر میں نظر آئی ہو جس پر واقعی دل آزاری کے معروف معنی کا اطلاق ہو سکتا ہو تو اس کی نشان دہی فرمائیں۔ مجھے اس پر اظہارِ معذرت کرنے میں ذمہ برابر تامل نہ ہو گا اس سلسلے میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لیں کہ اپنے بزرگوں کے معاملہ میں شاگردوں اور مریدوں کی زبان استعمال کرنا آپ حضرات کے لیے تو بلاشبہ درست ہے اور آپ کو ایسا ہی کرنا چاہیے، مگر دنیا بھر سے آپ یہ مطالبہ نہیں کر سکتے کہ وہ بھی آپ کے بزرگوں کے سامنے شاگردانہ اور مریدانہ عجز و نیاز مندی اختیار کرے۔ آپ کے اپنے گروہ میں دوسرے گروہوں کے بڑوں سے اختلاف

کرتے ہوئے جو بہتر سے بہتر اسالیب بیان استعمال ہوتے ہیں انہی کو آپ معیار مان لیں اور اس کے لحاظ سے دیکھیں کہ میری ان دونوں تحریروں میں جن کا آپ نے شکوہ کیا ہے کیا چیز واقعی قابل شکایت ہے۔

آپ نے اشارۃً یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ میں نے مولانا مرحوم کی کتاب سے عبارات نقل کرنے اور ان سے نتائج نکلانے میں وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو بعض مولوی صاحبان نے میرے ساتھ اختیار کیا ہے۔ میں نے آپ کی اس تنبیہ کے بعد پھر ایک مرتبہ نقش حیات کو پڑھ کر یہ تحقیق کرنے کی پوری کوشش کی کہ کہیں واقعی مجھ سے ایسی کوئی زیادتی تو نہیں ہو گئی ہے، مگر خدا گواہ ہے کہ مجھے ایسی کوئی چیز نہ ملی۔ میں آپ کا بہت شکریہ ادا کرتا ہوں گا اگر آپ واضح طور پر نشان دہی فرمائیں کہ میں نے کہاں عبارات میں کوئی تحریف کی ہے، یا سابق لاشی سے کماٹ کر ان میں کوئی نئے معنی داخل کیے ہیں، یا ان سے ایسے نتائج اخذ کیے ہیں جو خود ان عبارات سے نہیں نکلتے۔ ایسی جس زیادتی کی بھی آپ نشان دہی فرمائیں گے مجھے اس پر اعتراض قصور اور اظہارِ مذمت میں ذرہ برابر تامل نہ ہو گا۔

آپ نے یہ خیال بھی ظاہر فرمایا ہے کہ میں نے ان عبارات پر گرفت کرنے میں انتقامی جذبہ سے کام لیا ہے۔ یہ بدگمانی آپ کرنا چاہیں تو کریں، مگر میں عند اللہ مدد مسروں کے گمانوں کے لیے نہیں بلکہ اپنی نیت ہی کے لیے جواب دہ ہوں۔ میرے نزدیک دین کا نام لے کر ذاتی محبت و نفرت یا نفسانی جذبات و اغراض کے لیے کوئی بات یا کام کرنا بدترین فریب کاری ہے اور میں اس سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا حسین احمد صاحب اور ان کے زیر قیادت دیوبند کے ایک خاص اسکول کی سیاست کو میں برسوں سے دیکھتا رہا ہوں۔ میں نے ہمیشہ اس کو پوری ایمانداری کے ساتھ غلط سمجھا اور کہا ہے۔ اس سیاست کی تائید میں اسلام اور اسلامی تاریخ کی جو عجیب تعبیریں یہ اسکول کرتا رہا ہے وہ میرے نزدیک نہایت غلط اور دین و اہل دین کے لیے سخت مضر ہیں۔ اور میری قطعی رائے، خوب سوچی سمجھی رائے، بالکل بے لاگ رائے یہ ہے کہ اگر نیری وعدہ کی آمد پر سرسید اسکول جس مقام پر کھڑا ہوا تھا، بد قسمتی سے ہندو دور کی آمد پر اسی مقام پر دیوبند کا حسین احمد اسکول اکھڑا ہوا، بلکہ فرید افسوس یہ ہے کہ اس سے بھی کچھ آگے بڑھ کر کھڑا ہو گیا اس رائے کی بنیاد محض نقش حیات کی چند عبارات نہیں ہیں بلکہ اس اسکول کا وہ پورا

کارنامہ ہے جو پچھلے پندرہ بیس سال کی مدت میں اس سے ظہور میں آیا ہے۔

آپ نے مولانا کے بعض عقیدت مندوں کی اس رائے کا ذکر بھی فرمایا ہے کہ یہ "مستفسر بھی بالکل فرضی ہے تاکہ اس طریقہ سے اسی قسم کے جواب کی اشاعت کا موقع ہیا کر دیا جائے۔" دوسرے الفاظ میں ان حضرات کا مطلب یہ ہے کہ دراصل مجھے کسی شخص نے ان عبارات کے متعلق کوئی خط نہیں لکھا تھا بلکہ میں خود مولانا حسین احمد مرحوم پر حملہ کرنا چاہتا تھا، اس لیے میں ایک خط و کتابت گھڑ لی گئی۔ ورنہ کے اعتبار سے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصل خط و کتابت دفتر میں محفوظ ہے اور وہ صاحب بھی ہندوستان میں زندہ موجود ہیں جن کے خطوط کے جوابات میں نے دیئے ہیں۔ آپ حضرات جب چاہیں وہ خط و کتابت بھی دیکھ سکتے ہیں اور خود اصل کتاب سے بھی اس کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ رہی اس گمان کی عقلاتی حیثیت، تو جنہوں نے یہ تکلف یہ افسانہ تصنیف کر ڈالا وہ خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر سوچیں کہ یہ کیسا تزکیہ نفس و اخلاق ہے جو مولانا مرحوم کے فیضِ صحبت سے ان کو میسر آیا ہے۔ اپنے گروہ کے لوگوں کے معاملے میں تو ان کے احساسات اتنے نازک ہیں کہ ان کی صریح غلطیوں پر بھی کوئی تشفیہ وہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ مگر دوسروں کے دین و اخلاق پر ہر حملہ ان کے نزدیک بالکل مباح ہے حتیٰ کہ اپنے دل سے ایک خیالی الزام بھی تصنیف کر کے وہ ان کے سر تھوپ سکتے ہیں۔ اس پر میں اس کے سوا اور کیا کہوں کہ خدا ان حضرات کو وہ حقیقی تقویٰ عطا فرمائے جس کی بنا پر آدمی زبان سے ایک بات نکالنے سے پہلے سوچ لیتا ہے کہ وہ خدا کو اس کا کیا جواب دے گا۔